www.rahimia.org

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

بانی : حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوریؒ
قدس اللہ سرّہٗ السعید مسند نشین رابع خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیر اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

مجلس ادارت
سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

مئی 2016ء / رجب، شعبان 1437ھ جلد نمبر 8، شمارہ نمبر 5 - قیمت: 20 روپے سالانہ ممبر شپ: 200 روپے - تین سالہ ممبر شپ: 500 روپے

فہرست مضامین

- مزدوروں سے معاوضے سے زیادہ کام نہ لیا جائے
- نمائشی طرزِ عمل کی حقیقت
- اس حمام میں سب ہی ننگے ہیں
- کائنات کے نظام میں مقرب فرشتوں (ملاءِ اعلیٰ) کا کردار
- خدمتِ انسانیت کے رویے اور تربیتی نظام
- بجٹ کا موسم
- ایرانی صدر کا حالیہ دورۂ پاکستان
- مجالس ؛ افاداتِ علم وحکمت
- انسانی سماج میں تبدیلی کے قرآنی ضابطے
- آزاد قوموں کی رائے بھی آزاد ہوتی ہے
- برعظیم میں رائے سازی کے دو اسکول
- حضرت اقدس شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا احسان
- صبح سویرے اٹھنا معمول بناؤ
- سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کا ایمان افروز واقعہ
- امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ
- لاہور میں 29 روزہ ''دورۂ تفسیر قرآن حکیم'' کا انعقاد
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا **شاہ عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ
مسند نشین ثانی خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

حضرت والاؒ نے اپنے رام پور کے طالبِ علمی کے قیام کے حالات بیان فرمائے اور یوپی کے زمین داروں میں سے ایک زمین دار کا اپنا بیان نقل فرمایا کہ:

''جب مزارع (کاشت کار) ذرا خوش حال ہو تو ہم اس کے ہاں امانت کے طور پر زیادہ اناج رکھ دیتے ہیں، جس کی وہ اچھی حفاظت بوجہ محفوظ مکان نہ ہونے کے نہیں کرسکتا۔ وہ کہتا بھی رہتا ہے کہ اناج خراب ہوتا جا رہا ہے، مگر ہم پروا نہیں کرتے۔ جب دوسرے ذرائع سے معلوم کر لیتے ہیں کہ اب اناج خراب ہو گیا تو جا کر دیکھ کر اس پر تاوان ڈال دیتے ہیں اور اس طرح اس کو پھر دانستہ بدحال کر دیتے ہیں۔''

(مجلس: 28؍محرم الحرام 1366ھ/ 23؍دسمبر 1946ء۔ مقام: ڈھڈیاں)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: 269۔ طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org
رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

رقومات کی ترسیل بنام ''ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ ٹرسٹ لاہور'' اکاؤنٹ نمبر 0010030341820010 الائیڈ بینک مزنگ چونگی برانچ لاہور، برانچ کوڈ 0533

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تفسیر: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ

مزدوروں سے معاوضے سے زیادہ کام نہ لیا جائے

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (6:74) (اور ایسا نہ کر کہ احسان کرے اور بدلہ زیادہ چاہے۔)

جب تُو کسی پر احسان کرے تو اپنے حق سے زیادہ معاوضہ طلب نہ کر۔ یہ خُلق عدالت کے منافی ہے۔ مثلاً یہ جائز نہیں کہ تُو اُن کو جو تعلیم دیتا ہے اس کا اجر طلب کرے اور اپنے لیے مال و دولت جمع کرے۔ اپنے کسی مزدور کو چار آنے دے کر اس سے دس آنے کا کام لینا' انسانیت سے گری ہوئی بات ہے۔ آج سرمایہ دار طبقہ اپنی آمدنی میں محتاجوں کا حق سمجھتا ہی نہیں، بلکہ وہ مزدوروں کو اس بات کا بھی احسان جتاتا ہے کہ اس نے مزدوروں کو کام پر لگا رکھا ہے اور انھیں بھوکوں مرنے سے بچاتا ہے۔ حال آں کہ حقیقت یہ ہے کہ وہ مزدوروں کو صرف اتنی خوراک دیتا ہے، جس سے وہ مریں نہیں اور سرمایہ پرست کے سرمائے میں اضافہ کرنے کے لیے زندہ رہیں۔ کوئی انقلابی جماعت اس قسم کے ظلم کو برداشت نہیں کرسکتی۔ اس لیے دوسرے انسان کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھانا اور قدرِ زائد (Surplus Value) پیدا کرنا تو ایک طرف رہا، ایسا احسان کرنے کی بھی ممانعت کردی جس کا بدلہ زیادہ لینے کی خواہش ہو۔

انقلابِ صالح کا بنیادی اصول یہ ہے کہ انسانیت کو ظلم و ستم سے محفوظ کر کے اس میں رفاہِ عامہ کے ادارے قائم کیے جائیں، نہ کہ اپنے انتفاع (Exploitation) کا صیغہ کھول لیا جائے۔ اگر باپ اپنے بیٹے سے یا استاد اپنے شاگرد سے حد سے زیادہ کام لینے لگ جائے گا تو بیٹا یا شاگرد نافرمان ہو جائے گا۔ ایسے ہی اگر حکومت' رعایا سے حد سے زیادہ فائدہ حاصل کرنا شروع کردے گی تو سلطنت درہم برہم ہو جائے گی۔

کسی نظامِ حکومت کی بربادی کے عموماً دو ہی سبب ہوا کرتے ہیں۔ یعنی حکام کی عیاشی اور کام سے گریز اور ٹیکسوں کی بھرمار۔ چناں چہ حجۃ الاسلام امام ولی اللہ دہلویؒ (حُجّة الله البالغة جلد اوّل ص 45 میں) فرماتے ہیں کہ: ''آج کل جو شہر برباد ہو رہے ہیں تو اس کے دو بڑے سبب ہیں: (ایک سبب یہ ہے کہ) لوگ سرکاری بیت المال کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور مختلف بہانوں سے روپیہ اینٹھتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ ہم سپاہی ہیں، ہمیں پنشن ملنی چاہیے۔ یا ہم زمرۂ علما سے ہیں، ہمیں کوئی جاگیر وغیرہ ملنی چاہیے۔ یا وہ لوگ زاہد اور شاعر کی حیثیت سے آتے ہیں، جن کو صلہ دینا بادشاہوں کی عادت میں داخل ہے۔ یا اسی قسم کے اَور بہانے بناتے ہیں، اور اس طرح وہ بیت المال میں سے روپیہ حاصل کرتے ہیں۔ وہ بیت المال سے مشاہرے تو حاصل کرتے ہیں، لیکن اس کے عوض میں کوئی کام نہیں کرتے۔ رفتہ رفتہ اس قسم کے لوگوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔ اور پھر وہ ایک دوسرے کے لیے تنگی کا باعث ہو جاتے ہیں اور شہر پر بار بن جاتے ہیں۔ شہروں کے برباد ہونے کا دوسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ حکام کاشت کاروں، تاجروں اور پیشہ وروں پر بھاری بھاری ٹیکس لگاتے ہیں اور ان کی وصولی کے لیے انھیں بہت تنگ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جو لوگ بہ خوشی ٹیکس ادا کرتے ہیں، ان کا استیصال کر ڈالتے ہیں۔ اور جو لوگ سخت ہوتے ہیں، وہ ٹیکس ادا کرنے سے انکار کر دیتے ہیں اور بغاوت اختیار کرلیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شہر آسان ٹیکسوں اور ضرورت کے مطابق محافظین کا مقرر کرنے ہی سے ابھارا جاسکتا ہے۔ ہمارے زمانے کے لوگ اس نکتے سے تنبیہ حاصل کریں۔''

(قرآنی شعورِ انقلاب۔ ص:648-651)

درسِ حدیث

از مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

نمائشی طرزِ عمل کی حقیقت

عن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم:

''مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِه، وَمَنْ رَآئ رَآئ اللّٰهُ بِه.'' (رواه مسلم. حديث 5301)

(حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو لوگوں کو سنانے کے لیے نیک کام کرے گا، اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن اس کی ذلت لوگوں کو سنا دے گا اور جو شخص ریا کاری کرے گا، اللہ بھی اس کو دِکھلا دے گا۔'')

اللہ کو وہ نیکی پسند ہے، جو اس کی رضا کے حصول کے لیے کی گئی ہو۔ دکھلاوے اور نمود کے لیے کیے گئے کام اللہ کو پسند نہیں ہیں۔ اعلیٰ مقصد اور نیک جذبے کے تحت کیا گیا کام، دینی فریضے کی تکمیل ہوتا ہے۔ جب کہ ذاتی اغراض کے لیے کیا گیا کام بہ ظاہر نیک ہونے کے باوجود محض نفس پرستی ہوا کرتا ہے۔ یہ طرزِ عمل دین کے حقیقی تقاضوں سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اسی لیے بعض احادیث میں نمائشی کام کو شرک سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ریا کاری کا جذبہ اجتماعی ذمہ داریوں کی ادائیگی سے فرار اور انفرادی سوچ سے جنم لیتا ہے۔ انسان ذاتی فائدوں کا اَسیر ہو جاتا ہے۔ یہ سوچ انسان کو قوم و ملت کے لیے قربانی دینے سے گریز کی راہ پر ڈال دیتی ہے۔ نفس اور شیطان اسے ذات کے خول میں بند کر کے صرف انفرادی مفاد میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ذاتی راحت اور فائدہ تب ہی مستحسن ہے، جب فرض کی ادائیگی اور اجتماعی ذمہ داری سے فرار کی خاطر نہ ہو۔

یہ مرض اگر مذہبی اور قومی لیڈرشپ میں آجائے تو مذہب رسمیت اور قومی زندگی ناکامی کا شکار ہو جاتی ہے۔ ایسی لیڈرشپ عوام الناس کو سبز باغ دکھاتی رہتی ہے۔ خوش الحانی اور خوش بیانی کو اپنی اغراض نفسانی کی تکمیل اور عوام الناس کے استحصال کا ذریعہ بنالیتی ہے۔ لیڈرشپ کا یہ طرزِ عمل ان کی مال پرستی اور جاہ پرستی کا منہ بولتا ثبوت ہوتا ہے۔ نمائشی اعمال کا ابتلا منافقانہ روش کی نشان دہی کرتا ہے۔

ہماری قومی زندگی کے 69 سال گزرنے کے باوجود قومی نظام نہ تو مکمل دین کے تابع ہوا اور نہ ہی معاشی خوش حالی، سیاسی استحکام اور سماجی وحدت کی منزل کو ہم پا سکے۔ قیامِ پاکستان سے اب تک لیڈرشپ کے بیانات کا اگر جائزہ لیں تو ہر دور میں ایسا تأثر ملتا ہے کہ اب عہدِ نبویؐ اور دورِ صحابہؓ کا مشاہدہ ہونے جا رہا ہے۔ اور عنقریب ترقی کی دیوی ہاتھ باندھے کھڑی ہوگی، مگر ہماری دنیا اور آخرت کی فلاح تا حال مخدوش ہے۔ یہ سب ملکی نظام چلانے والوں کے نمائشی طرزِ عمل اور حُبِ جاہ و مال کی وجہ سے ہے۔ ایسی لیڈرشپ کے لیے یہ حدیث اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلانِ بے زاری ہے۔

یہ حدیث مبارکہ اس اَمر کا شعور دیتی ہے کہ نیت کا کھوٹ اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتا۔ افسوس! کہ ہماری قومی زندگی اس منفی جذبے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ صورتِ حال ہمیں اپنے قول و عمل کے تضاد کو دور کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔

www.rahimia.org

اداریہ

اس حمام میں سب ہی ننگے ہیں

ہمارے گرد و پیش سیاست و مذہب، حکومت و اپوزیشن اور سول و مسلح بیوروکریسی کے سب ہی کل پُرزے ایک ہی مشین میں ڈھلے اور تیار ہوئے ہیں۔ پھر بھی نہ جانے نظام سے تنگ آئے عوام و خواص ان کو آپس میں لڑتا دیکھ کر ایک گروہ کو دوسرے پر کیوں ترجیح دینے لگتے ہیں۔ حال آں کہ ایک ہی کلاس کے یہ سب لوگ، ایک ہی ذمہ داری اور ایک ہی طرح کے مفادات کے اسیر ہیں اور ایک ہی گلے سڑے نظام کے محافظ ہیں۔ قیامِ پاکستان سے لے کر آج تک کی تاریخ ہمارے اس دعوے کی دلیل ہے کہ اس ملک میں حکمرانی، اپوزیشن اور مذہبی سیاست کرنے والے لوگ ایک ہی تالاب کی مچھلیاں رہی ہیں۔ اگر ان میں کچھ مختلف ہوتا تو آج ہماری تاریخ بھی مختلف ہوتی۔

پاناما لیکس کے بعد ایک بار پھر ملک میں ایک دھواں دار بحث جاری ہے۔ کیا ہمارے جیسے پس ماندہ معاشرے میں سیاست دانوں کی کرپشن پر پاناما لیکس میں ملوث ہونے کے ثبوتوں کی ضرورت ہے؟ ہمارے ملک میں زندگی اور معیشت کے ہر شعبے پر سیاست دانوں اور حکمرانوں کا قبضہ اور دن دگنی رات چوگنی ترقی ہی ان کے خلاف سب سے بڑا ثبوت ہے۔ عوام کی حالتِ زار اور حکومت کی تمام شعبوں میں ناقص کارکردگی ہی ان کے نااہل اور کرپٹ ہونے کی کافی دلیل ہے۔ جس ملک میں حکومت و سیاست کے اجتماعی ادارے ناکام ہو کر خسارے میں چلے جائیں اور وہاں کے سیاست دان، حکمران اور مذہبی لیڈر مال دار ہو جائیں اور ان کی جائیدادیں دنیا کے ہر حصے میں پائی جاتی ہوں، ان کی کرپشن پر کسی بیرونی ثبوت اور دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور پھر ان کی طرف سے اپنے دفاع میں یہ دلیل کہ ''ہم نے ذاتی کاروبار سے پیسہ کمایا ہے، کوئی کرپشن نہیں کی۔''! یہ عجیب منطق ہے کہ آپ کے دورِ اقتدار میں حکومتیں تو خسارے کا شکار ہو جائیں اور آپ کے ذاتی کاروبار کامیابی سے ہم کنار ہوں! آپ کی مزعومہ صلاحیت و استعداد، آپ کے ذاتی کاروبار میں تو ترقی اور خوش حالی کا باعث ہو، لیکن عوام کے حق میں ناکامی، غربت، قرضے، لوڈشیڈنگ اور مختلف بحرانوں کا باعث! اسے ہی تو کرپشن اور بدعنوانی کہتے ہیں۔

تیسری دنیا کے غریب ملکوں کی حکومتیں امریکا اور برطانیہ جیسے سامراجی ملکوں کے خلاف کسی بھی قسم کے فیصلوں کی استطاعت سے محروم ہوتی ہیں۔ اس لیے کہ ان ملکوں کے حکمران خاندان اور سیاسی پارٹیاں بشمول اپوزیشن؛ امریکا اور برطانیہ میں طاقت کے سرچشموں سے ذاتی تعلقات کی حامل ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غریب ملکوں میں مسلط حکمران اور سیاست دان اپنے ذاتی مفادات اور کاروبار میں استحصالی ملکوں کی قیادت اور طاقت سے براہِ راست رشتے استوار کر چکے ہیں۔ دنیا بھر کے سرمایہ دار جہاں بھی اپنے سرمائے کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں، خواہ وہ سوئٹزرلینڈ ہو یا پاناما، اس کے لیے وہ قانون سازی بھی کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو بچاتے بھی ہیں۔ ہمارے جیسے ملک میں کوئی بھی تبدیلی قومی سے زیادہ بین الاقوامی طاقتوں کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔ کیوں کہ خطے میں مختلف النوع دلچسپیوں کے سبب عالمی طاقتیں پاکستان میں کسی بھی قسم کی تبدیلی میں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ تبھی تو گھنٹی بجتے ہی ہمارے سیاست دان باہر کا رُخ کرتے ہیں۔ پاکستان میں کوئی ایک پارٹی بھی مقامی وسائل اور عوام کے ذریعے تبدیلی لانے کی اہل نہیں ہے۔ اسی لیے یہ لوگ بیرونی سرپرستی کے منتظر رہتے ہیں۔ دراصل ہماری نام نہاد قومی لیڈرشپ کے بین الاقوامی مافیاز کے ساتھ دوطرفہ مفادات کی بنیاد پر تعلقات استوار ہو چکے ہیں۔ ہمارے ملک کی حکمران جماعت کا سربراہ خاندان اس وقت اس عالمی نیٹ ورک کا ستون بن چکا ہے۔ اس پارٹی کا دوبارہ اقتدار میں آنا اور ایک فوجی حکمران کا پسپا ہونا؛ دنیا بھر میں موجود ان کے سرپرستوں اور غیرملکی آقاؤں کی حمایت کے بغیر ممکن نہ تھا۔

جن لوگوں نے بحالیٔ جمہوریت کے نام پر ان طبقات کو عوام پر مسلط کیا ہے، دراصل وہ سب ہی عالمی سرمایہ دارانہ نظام کے معاون اور سہولت کار ہیں۔ موجودہ حکمران خاندان کے امریکا، برطانیہ، سعودی عرب، یو اے ای، چین، قطر اور ہندوستان کے سرمایہ دار خاندانوں سے تعلقاتِ کار دراصل اس عالمی سرمایہ دارانہ نظام کے نیٹ ورک کی طاقت کا اظہار ہے۔ بہ ظاہر انتہائی سادہ اور اوسط درجے سے بھی کم صلاحیت کی حامل قیادت کو دراصل عالمی سرمائے کے محافظ درجنوں تھنک ٹینکس کی رہنمائی حاصل ہے، جو نہ صرف ان کے اقتدار اور مفادات کو قومی سطح پر بحرانوں سے بچائے ہوئے ہے، بلکہ عالمی سطح کے سرمایہ داروں اور سٹہ بازوں کے ساتھ بھی تال میل میں مکمل معاونت فراہم کرتا ہے۔ کسی بھی دور میں اس طبقے کی جانب سے ملک کے عوام کے سامنے خوب صورت اَقدار کا بیان، خواہ وہ جمہوریت کے عنوان سے ہو یا کسی مذہبی قضیے سے متعلق ہو، محض نمائشی ہوتا رہا ہے۔ ان کے تحفظ کے لیے چلنے والی تحریکات سے باخبر رہنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ کہیں سامراج ان خوب صورت نعروں سے کوئی نیا جال تو نہیں بچھا رہا۔ ہمارے ملک میں چلنے والی تحریکات عام طور پر اس سازش کا شکار رہی ہیں اور عوام اپنی تمناؤں اور آرزوؤں کا شکار ہوتے آئے ہیں۔ آج بھی اس ملک کے مطلع پر بہت سی نئی تحریکوں کے خطرات منڈلا رہے ہیں۔ کہیں سب بااثر شخصیات کا بہ یک وقت بیرونِ ملک سفر کرنا اور کہیں سب مذہبی قوتوں کا ایک سٹیج پر جمع ہونا اور ہاتھ اٹھا کر ''اتحاد'' کا مظاہرہ کرنا اور کہیں اپوزیشن جماعتوں کے رابطوں کا تیزتر ہونا ہے۔

اس سارے شور و غوغا کے پیچھے بنیادی بات کو سمجھنا ضروری ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام میں اپنے ہی حلیفوں کے درمیان چھوٹے چھوٹے تضادات کو باقی رکھنا اور اس میں قوم کو ایک ایسی امید سے باندھے رکھنا کہ اب کے آنے والی تبدیلی سب کچھ بہا کر لے جائے گی اور قوم ہر روز ایک نئے سکینڈل، نئے اتحاد، نئی تحریک کے سہارے خوابوں کی دنیا میں رہتی ہے۔ اور اپنے دشمنوں سے ہی اپنے حقوق کی بھیک مانگنے کے لیے کاسۂ گدائی ان کی طرف بڑھائے رکھتی ہے۔ جیسے ابھی اسی ماہ مزدوروں کے حقوق کے غاصب ہی ان کے حقوق کے لیے محفلیں سجائیں گے اور اس ملک کو ان کے لیے جنت بنانے کے گُن گائیں گے۔ جب اپنے ہی خلاف لگنے والے الزامات پر خود ہی کمیشن بنایا جا سکتا ہے تو پھر جن کے حقوق غصب کیے جائیں، ان کے حق میں کانفرنس اور مظاہرے کیوں نہیں کیے جا سکتے؟ اور یہ کام حکومت، اپوزیشن اور مخالف پارٹیاں سب ہی کریں گی اور ایک دوسرے کو اس کا ذمہ دار ٹھہرائیں گی۔ کیوں کہ یہ سب ایک ہی مشین کے کل پُرزے ہیں اور ایک ہی طرح کے نظام چلانے کے لیے ڈھالے گئے ہیں۔ (مدیر)

www.rahimia.org

کائنات کے نظام میں مقرب فرشتوں (ملاءِ اعلیٰ) کا کردار

مترجم: مفتی عبدالخالق آزادرائے پوری

{حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ برعظیم پاک و ہند کی عظیم ترین شخصیت ہیں۔ انھوں نے اٹھارہویں صدی عیسوی میں انقلابی افکار اور تعلیمات انسانیت کے سامنے پیش کیے ہیں۔ انھوں نے اپنی کتابوں میں بلند پایہ افکارِ عالیہ قلم بند کیے۔ یوں دوسرے ہجری ہزارے میں دین حق کی سچی تعلیمات پر مبنی اللہ کی حجت و برہان کو بڑے واضح دلائل کے ساتھ بیان فرمایا۔ اُن کے بیان فرمودہ افکارِ عالیہ آج بھی اپنے اندر تازگی رکھتے ہیں۔ یہ افکارِ عالیہ نئی سیاسی، سماجی اور معاشی تشکیل کے لیے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ نیز شریعت و طریقت کی رہنمائی پر مبنی جامع تعلیمات پر مبنی ہیں۔ مترجم}

''جاننا چاہیے کہ (آیات واحادیث کی کثرت سے) شریعت میں یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں، جو افضل ترین فرشتے اور بارگاہِ الٰہی کے مقرب ہیں۔ (ملاءِ اعلیٰ کے یہ فرشتے درجِ ذیل امور سرانجام دیتے ہیں:)

1۔ یہ فرشتے، ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہر وقت دعا مانگتے ہیں، جنھوں نے اپنی اصلاح کی، اپنے نفس کو مہذب بنالیا اور جو کُل انسانیت کی اصلاح اور فلاح کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ فرشتوں کی دعا سے اُن پر برکات نازل ہوتی ہیں۔

2۔ یہ فرشتے اُن لوگوں پر لعنت بھیجتے ہیں، جو اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں۔ ان کی لعنت کی وجہ سے غلط کار لوگوں پر (ناکامی کی) حسرت و ندامت پیدا ہوتی ہے۔ وہ فرشتے، ماتحت فرشتوں (ملاءِ سافل) کے سینوں میں یہ الہام ڈالتے ہیں کہ وہ اس غلط کار سے بغض رکھیں اور اس کو دنیا میں یا موت کے بعد سزا دیں۔

3۔ یہ فرشتے، اللہ اور انسانوں کے درمیان سفیر (رابطہ کار) کی حیثیت رکھتے ہیں۔

4۔ انسانوں کے دلوں میں اچھے خیالات کا الہام کرتے ہیں۔ کسی نہ کسی پہلو سے ایسے اسباب پیدا کرتے ہیں کہ جن سے ان میں نیکی اور اچھائی کے خیالات پیدا ہوں۔

5۔ ان فرشتوں کے اجتماعات ہوتے ہیں۔ ایسے اجتماع کی کیفیت اور حیثیت کا تعین اللہ تعالیٰ خود کرتا ہے۔ اس اجتماع کی ایک حیثیت کو (بخاری کی حدیث 6510 میں) ''الرّفیقُ الأعلٰی'' (اعلیٰ مجلس رفاقت)، ایک اَور حیثیت سے (ابوداوٗد کی حدیث 5054 میں) ''النَّدِیُّ الأعلٰی'' (اعلیٰ مجلس مشاورت) اور اس اجتماع کی مجموعی حیثیت کو (قرآن 69:38 میں) ''الملاء الأعلٰی'' (اعلیٰ مجلس نظم ونسق) سے تعبیر کیا گیا۔

6۔ یہ بات بھی (قرآن وسنت سے) ثابت شدہ ہے کہ انسانوں میں سے افضل ترین افراد کی روحیں بھی ایسے مقربِ بارگاہِ الٰہی فرشتوں میں داخل ہوکر انھیں میں شامل ہوجاتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ (89:27-30) (اے مطمئن روح! پھر اپنے ربّ کی طرف چلی جا، تُو اُس سے راضی، وہ تجھ سے راضی۔ پھر میرے بندوں میں شامل ہوجا اور میری بہشت میں داخل ہوجا۔)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''میں نے جعفر بن ابی طالبؓ کو (شہادت کے بعد) فرشتے کی صورت میں دیکھا کہ وہ جنت میں فرشتوں میں شامل ہوکر اپنے دوپروں کے ساتھ اُڑ رہے ہیں۔'' (ترمذی، حدیث نمبر 3763)

7۔ ملاءِ اعلیٰ کے ان فرشتوں پر ہی اللہ کے فیصلے نازل ہوتے ہیں اور یہیں پر (کائنات کا نظام چلانے کے لیے) بنیادی اُمور کا تعین کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے (اس آیت میں) اشارہ کیا ہے: فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ (4:44) (لیلۃ القدر میں (فرشتوں کے اجتماع میں کائنات کے) طے شدہ امور تقسیم کیے جاتے ہے۔)

8۔ ملاءِ اعلیٰ کے اجتماع میں انسانی سوسائٹی کے لیے شریعتوں کا تقرر ہوتا ہے۔

یہ بھی جاننا چاہیے کہ بے شک ملاءِ اعلیٰ تین قسموں پر مشتمل ہیں:

1۔ (نورانی فرشتے): ایک قسم وہ ہے کہ جن کے بارے میں حق تبارک وتعالیٰ نے جان لیا کہ دنیا میں خیر اور بھلائی کا نظام انھیں کے ذریعے قائم رہے گا۔ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں نورانی اجسام کی صورت پیدا کیا ہے۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے (کوہِ طور پر نورانی) آگ کو پیدا کیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان نورانی اجسام میں بڑی معزز اور بلند مرتبت روحیں ڈالی ہیں۔

2۔ (مثالی فرشتے): دوسری قسم ایسے فرشتوں کی ہے کہ جن کے اجسام (کائنات میں موجود) عناصر (elements) کے لطیف ذرّات کے امتزاجی تعامل (chemical mixer) سے پیدا ہوئے۔ ایسے اجسام پر بہت اونچے درجے کی ایسی روحوں کا فیضان ہوا، جن میں حیوانی خرابیوں کی مزاحمت بڑی شدت سے پائی جاتی ہے۔

3۔ (انسانی روحیں): تیسری قسم ایسی انسانی روحوں پر مشتمل ہے، جو ملاءِ اعلیٰ سے (علوم) اخذ کرنے کی بہت قریبی صلاحیت رکھتے ہیں۔ وہ لوگ ہر وقت انسانیت کو نجات دلانے والے اُمور (کو غالب کرنے کی) ایسی جدوجہد کرتے ہیں، جو انھیں ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں میں داخل ہونے کے لیے بہت مفید ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ جب (موت کے بعد) ان کے جسم کے پردے ہٹ جاتے ہیں تو پھر ان کی روحیں فرشتوں کی لڑی میں پروئی جاتی ہیں اور ان کا شمار فرشتوں میں ہی کیا جاتا ہے۔

ملاءِ اعلیٰ کے درجِ ذیل کام ہوتے ہیں:

1۔ وہ ہر وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ رہنے میں پورے طور پر منہمک رہتے ہیں۔ کوئی چیز بھی انھیں اللہ کی طرف متوجہ ہونے میں رکاوٹ نہیں بنتی۔ یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کہ: یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ (7:40) (وہ اپنے ربّ کی حمد وثنا کی تسبیح پڑھتے ہیں اور اس پر یقین رکھتے ہیں۔)

2۔ وہ اپنے ربّ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نظامِ صالح (اچھے نظام) کی خوبیاں سمجھ لیتے ہیں اور اگر کہیں غلط نظام پیدا ہوگیا ہو تو اُس کی خرابی اور بُرائی دل سے محسوس کرلیتے ہیں۔ چناں چہ وہ انسانیت کی فلاح کے لیے اللہ کی سخاوت کے دروازوں میں سے کسی نہ کسی دروازے کو کھٹکھٹاتے رہتے ہیں اور لوگوں کی مغفرت کی دعا مانگتے ہیں۔ اللہ کے اس قول وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (7:40) (اور ایمان والوں کے گناہ بخشواتے ہیں۔) کا یہی مطلب ہے۔ (حُجّة اللّٰه البالغه، باب ذکر الملاء الأعلیٰ)

www.rahimia.org

خدمتِ انسانیت کے رویّے اور تربیتی نظام

ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ، لاہور

کم وبیش ہر تعلیمی ادارہ یہ سلوگن دیتا ہے کہ ''علم کے لیے داخل ہوں اور خدمت کے لیے رخصت ہوں۔'' طلبا یقیناً داخل تو علم کے لیے ہی ہوتے ہیں، مگر ان کی تعلیم سے فراغت اور رخصت کیا واقعی خدمت کے لیے ہوتی ہے؟ کیا ہمارا نظامِ تعلیم حقیقتاً وہ رویّے پیدا کرتا ہے، جن کا اظہار سماجی خدمت اور سماجی ترقی کی جدوجہد کی صورت میں نکلے؟ یقیناً ایسا نہیں ہے۔ لارڈ میکالے کے اس نظامِ تعلیم میں جب بچہ سکول میں داخل ہوتا ہے تو ماں باپ کی تربیت، اپنے فطری تقاضوں یا دینی رجحان کے باعث ابتداءً تو خدمت کا ذہن ہی رکھتا ہے، مگر وہ کیا عوامل ہیں کہ اس نظامِ تعلیم سے گزرنے کے بعد انفرادیت پسندی، طبقاتی و نسلی تفاخر اور سہولت و تعیش پسندی کے رویّے پیدا ہوتے ہیں۔ خصوصاً وہ تعلیمی ادارے، جو طبقہ امرا کے لیے مخصوص ہیں یا وہ ادارے جو بیوروکریسی اور اشرافیہ کی پروفیشنل تربیت کے لیے وقف ہیں، وہاں تو رکھ رکھاؤ اور وقار کے نام پر محض اپنے معیارِ زندگی کو بلند رکھنے اور خود کو عوام الناس سے فاصلے پر رکھنے اور انھیں حقیر سمجھنے کی باقاعدہ تربیت دی جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہماری سول سروسز اور اشرافیہ میں خدمت کے جذبے کی بجائے مخدومیت کی خواہش غالب دکھائی دیتی ہے۔ ہر ایسی پوسٹ کی تمنا اور اس کے لیے بھاگ دوڑ کی جاتی ہے، جہاں خدمت کرنے والوں کی فوج ظفر موج موجود ہو۔ محض مالی و مادی منفعتوں اور آسائشوں کو ہی پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں حکمران طبقے کی تمام تر تخلیقی صلاحیتیں محض مال و دولت کو اکٹھا کرنے پر صَرف ہوتی ہیں۔ یہی ہمارے نظام مملکت کی فرسودگی کی بہت بڑی وجہ بھی ہے۔

اس کے برعکس جامع فکر ونظر کے حامل اہل اللہ کے نزدیک خدمتِ انسانیت کا جذبہ ہی درحقیقت دین داری کا عملی اظہار ہے۔ یہی فکر ہی دینی تربیت کا عنوان بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دین اسلام کی آفاقی تعلیمات پر مبنی تربیتی نظام میں خدمتِ انسانیت کے تصور پر ہی سب سے زیادہ زور دیا جاتا رہا ہے۔ یہ فکر ذہن نشین کیا جاتا تھا کہ ''عبادت کرنے سے جنت ملتی ہے اور خدمت کرنے سے خدا ملتا ہے۔'' ان جذبات کو اُبھارا جاتا تھا کہ دوسروں کے مسائل کو حل کرنے کی یہ جدوجہد محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہونی چاہیے۔ چناں چہ تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ ہمارے حکمران طبقے کے لوگ کسی ایک فرد کو انصاف دلانے یا اس کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے دُور دراز کا سفر کرتے تھے اور کسی مشکل کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ سماجی خدمت کے اس اعلیٰ ترین مقصد کو پیش نظر رکھنے کا نتیجہ تھا کہ برصغیر کے تمام اہل اللہ، تزکیہ و تربیت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے ساتھ ساتھ سماجی مسائل کے حل کی جدوجہد میں بھی پیش پیش رہے۔ چناں چہ زیادہ تر بزرگانِ دین اپنے سماجی کردار کے حوالے سے ہی معروف ہوئے۔ داتا گنج بخشؒ، گنج شکرؒ، خواجہ غریب نوازؒ جیسے القابات اس کی روشن مثال ہیں۔ (بقیہ ص 12 پر)

بجٹ کا موسم

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

اٹھارہویں صدی کا آغاز تاجِ برطانیہ میں معاشی انتظام میں بحرانوں کا دور تھا۔ چناں چہ متعدد معاشی بحرانوں نے بجٹ کی بنیاد پر معاشی حکمتِ عملی وضع کرنے کا طریقۂ کار بہ تدریج وضع کیا اور حکومتی انتظام میں دیگر شعبوں میں جدید تصورات کے اجرا کی طرح مقامی معیشتوں کو بحرانوں سے بچانے اور ترقی کے طے شدہ اَہداف حاصل کرنے کے لیے بجٹ کا ایک مستقل ادارہ وجود میں لایا گیا۔ تاجِ برطانیہ نے ایک عالمی قوت ہونے کی وجہ سے اپنے تمام مقبوضات میں اس طرز کی معاشی حکمتِ عملی کا انداز لاگو کر دیا۔ ہمارے ملک میں ہر دوسرے شعبے کی طرح معاشی پلاننگ کے اس شعبے کو بھی پہلے دن سے ایک بوجھ سمجھا گیا اور محض اس لیے اسے جاری رکھا گیا کہ پوری دنیا عمومی طور پر معاشی پلاننگ کے ان طریقوں پر بہ تدریج اعتماد حاصل کر چکی تھی، لیکن پاکستان میں کسی کے پاس ترقی اور اس پر حکمتِ عملی کا کوئی عملی تصور موجود نہیں تھا اور اگر تھا بھی تو سیاسی جماعتیں اور حکومتی ادارے اُن تصورات سے مکمل نا آشنا رہے۔

بجٹ پر عمل درآمد سے متعلق پیچیدہ امور اور رقوم کی فراہمی میں غیر معمولی سست روی سے تنگ آ کر حکومت میں پلاننگ وِنگ کا قیام عمل میں لایا گیا، جسے آج پلاننگ کمیشن کہا جاتا ہے۔ اس عمل نے ٹیکسوں سے جمع شدہ رقوم کو خرچ کرنے کے دو راستوں کا تعین کیا، یعنی بجٹ کی حکمتِ عملی کے دو مختلف سربراہ بنا دیے گئے۔ ملازمین کی تنخواہوں اور دیگر ناگزیر اخراجات کا بجٹ فنانس منسٹری کے پاس رہا، جو کُل بجٹ کا 60% سے 70% بنتا ہے اور باقی بجٹ، جس کا تعلق ترقیاتی کاموں سے ہو، اُسے بروئے کار لانے کے لیے پلاننگ کمیشن کام کرتا ہے۔ ہر بجٹ ان دو وزارتوں کے درمیان کشمکش کی وجہ سے بے اثر رہا اور انھی ترقیاتی پراجیکٹس کے لیے فنڈ جاری کیے جاتے رہے، جو مقتدرہ کی ذاتی، خاندانی یا سیاسی مصلحت کی ضرورت تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ کئی پراجیکٹس ایسے بھی موجود ہیں، جن پر سالانہ رقوم کے اجرا کی رفتار اس قدر سست ہے کہ آئندہ دو سو سال تک بھی ان کے پایۂ تکمیل تک پہنچنے کی کوئی امید نہیں۔ اور آئے روز فنانس منسٹری بنیادی عوامی ضرورتوں کے منصوبوں سے رقوم نکال کر دوسری مصلحتوں کے تحت جاری منصوبوں پر لگاتی رہتی ہے۔ گویا وہ بجٹ جو سال کے شروع میں عوامی نمائندوں نے پاس کیا تھا، اُسے حکومت چاہے تو اگلے دن ہی سپلیمنٹری گرانٹ کے ذریعے یکسر بدل کے رکھ سکتی ہے اور قانوناً اُسے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ہر سال بجٹ کے عنوان سے لگائے گئے اس تماشے کو سمجھنے کی ضرورت ہے، جس میں مقتدر طبقات کے مفادات پیش نظر رکھے جاتے ہیں۔ اس نظام میں بجٹ کی کارکردگی کا تعین کرنے کا کوئی طریقۂ کار موجود نہیں ہے۔ کسی بھی حکومتی ایجنسی کی جانب سے ایسی دستاویز حاصل نہیں کی جا سکتی اور اگر اکاؤنٹینٹ جنرل کی رپورٹ کا جائزہ لیں تو اُس میں سے بجٹ سے متعلق معلومات نکالنا اس قدر محال ہے کہ کم از کم ہمارے عوامی نمائندے یا میڈیا والے اس قابل نہیں کہ اُسے سمجھ بھی سکیں۔ پاکستان میں بجٹ اس لیے ہے کہ آئی ایم ایف جیسے اداروں کو بات سمجھانے کے لیے کچھ تو ہو، ورنہ اپنا گزارہ تو اس کے بغیر بھی ممکن ہے۔

www.rahimia.org

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

ایرانی صدر کا حالیہ دورۂ پاکستان

ایرانی صدر حسن روحانی 25/ اور 26/ مارچ 2016ء کو دو روزہ دورے پر پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں تشریف لائے تو انھیں اکیس توپوں کی سلامی کے ساتھ خوش آمدید کہا گیا۔ ایرانی صدر کا یہ دورہ اپنا ایک خاص پس منظر رکھتا ہے۔ اس کا ایک پہلو تو یہ تھا کہ ایران نے اپنے اوپر سے اقتصادی پابندیوں کے اُٹھ جانے کے بعد اپنے پُرانے تجارتی تعلقات کی تجدیدِنو کرنے کے علاوہ حالیہ ایرانی تیل کی مقدارِ پیداوار میں اضافہ کر کے نئے خریداروں کی تلاش کے ساتھ ساتھ تیل کی حالیہ قیمتوں کی تجدید کرنا تھی۔ دوسرا پاکستان کے ساتھ اپنے پُرانے گیس پائپ لائن منصوبے پر عمل درآمد کو متحرک کرنا تھا۔

جس دن سے پاکستان میں ایرانی صدر کے دورے کا اعلان ہوا تھا، اس کے ساتھ ہی ایک بھارتی جاسوس کل بھوشن یادَو کو سامنے لا کر یہ تأثر دیا گیا کہ یہ شخص ایران کے راستے سے پاکستان میں داخل ہوا ہے، جس کا مقصد بلوچستان اور سندھ کے اندر تخریبی کارروائیوں کو منظّم کر کے حالات کو خراب کرنا تھا۔ جس کے وجود کے بارے میں انڈین گورنمنٹ نے اس حد تک تو تائید کی ہے کہ یہ ہمارا پرانا بحریہ کا ملازم تھا، البتہ اس کے عزائم کے بارے میں اُس کی ایجنسی نے کسی قسم کی کوئی تائید یا تصدیق نہیں کی۔ اس جاسوس کے وجود کے بارے میں میڈیا پر یہ رپورٹ اُس وقت تک چلتی رہی، جب تک ایرانی صدر پاکستان کا دورہ مکمل کر کے واپس ایران نہیں پہنچ گئے۔

ایرانی صدر، پاکستان میں تشریف لائے تھے تو ان کا مقصد پاکستان کے ساتھ تیل کی قیمتوں کے بارے میں نیا معاہدہ اور گیس پائپ لائن منصوبے پر عمل درآمد کو آگے بڑھانے کے لیے اقدامات کرنا تھا۔ اس دورے میں ایران کے ساتھ 6 منصوبوں کے بارے میں بنیادی ابتدائی مسودات پر دستخط ہوئے، جنھیں عرفِ عام میں ایم او یو (MOU) کہا جاتا ہے۔ اس وقت پاکستان کی ایران کے ساتھ تجارت ایک ارب ڈالر کی ہے، لیکن آئندہ پانچ سالوں میں اسے بڑھا کر پانچ ارب ڈالر تک پہنچایا جائے گا۔ اس وقت پاکستان ایران تجارتی راہ داری کا صرف ایک داخلہ پوائنٹ، جسے آئندہ بڑھا کر دو کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ ایرانیوں کا مقصد پاکستان کی بجلی کی کمی کو پورا کرنے کے لیے حالیہ 100 میگاواٹ کو بڑھا کر 3000 تک لے جانا ہے۔ دوطرفہ تجارتی تعلقات کو مستحکم کرنے کے لیے ایرانی بندرگاہ چاہ بہار سے پاکستانی پورٹ گوادر تک ربط پیدا کرنے کے لیے ریل، سڑک کے نظام اور بندرگاہوں کے درمیان تعلق کو اَور زیادہ مضبوط کیا جائے گا۔ ایرانی صدر کا کہنا تھا کہ چوں کہ ایران اپنے حصے کی گیس پائپ لائن بچھانے کا کام تقریباً مکمل کر چکا ہے، اب پاکستان جتنی جلدی اپنے حصے کا کام مکمل کرتا ہے، اتنی ہی جلدی دونوں ملکوں کے عوام اپنے معاشی مسائل حل کرنے کے قابل ہوں گے۔ مزید یہ کہ اس منصوبے کے کامیاب ہونے کی صورت میں دونوں ملک چائنہ پیک کا حصہ بن کر ایرانی گیس چین تک پہنچنے کی صورت میں معاشی مفادات حاصل کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ ایرانی صدر نے وزیر اعظم نواز شریف کو تجویز دی کہ افغانستان، ایران اور پاکستان تینوں کو مل کر امن کے قیام کو یقینی بنانا چاہیے۔

ایران نے گزشتہ دنوں سعودی عرب کو جو پیش کش کی تھی کہ ہمیں چاہیے کہ ہم تیل کی حالیہ قیمتوں کو گرانے کی بجائے نہ صرف مستحکم کریں، بلکہ انھیں آہستہ آہستہ بڑھا کر مناسب حد تک لے کر آئیں، تاکہ دونوں ملکوں کو اس کا فائدہ ہو سکے۔ اگر یہ منصوبہ کامیاب ہو جاتا ہے تو وہ قوتیں، جنھوں نے سعودی عرب کو ذریعہ بنا کر تیل کی قیمتوں کو عالمی منڈی میں گرا کر اس حد تک پہنچا دیا تھا، جس سے نہ صرف سعودی عرب کا معاشی ڈھانچہ تباہ ہو چکا ہے، بلکہ خطے کے وہ تمام ممالک، جن کی معیشتوں کا دار و مدار زیادہ تر تیل اور گیس پر مبنی تھا، انھیں بے تحاشا نقصان ہو چکا ہے۔ ایرانی صدر کی ان تمام تجاویز پر عمل درآمد سے ایسے تمام اقدامات کی نفی ہونے کا عمل شروع ہو جاتا، جو ان طاغوتی طاقتوں نے جمہوری قوتوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے اختیار کیے تھے، لیکن سعودی فرماں روا اس شکنجے سے نکل پانے میں ابھی تک کامیاب ہوتے دکھائی نہیں دے رہے۔

جلتی پر مزید تیل کا کام کرتے ہوئے پاکستانی میڈیا نے ایرانی صدر کے دورے کو بُری طرح ناکام بنانے کی جو کوشش کی تھی، ایرانی وزیر کی طرف سے اس کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ اس نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ ہمارے صدر کا یہ دورہ انتہائی کامیاب تھا، جس میں چھ معاہدات طے ہوئے ہیں، لیکن پاکستانی میڈیا نے باقاعدہ منظّم مہم چلا کر اس کو سبوتاژ کرنے کوشش کی، جسے ایرانی حکومت نے بہت سنجیدگی سے لیا ہے۔

سعودی عرب اور ایران کے درمیان موجودہ تناؤ کو ختم کرنے کے لیے روسی حکومت نے بھی پیش کش کی ہے۔ کیوں کہ اس وقت روس کے دونوں ملکوں کے ساتھ تعلقات اچھے ہیں اور اس نے یہ بھی کہا ہے کہ جنیوا معاہدے کے بارے میں جو آئندہ اجلاس منعقد ہونے والا ہے، (جس میں شام کی صورتِ حال پر ہونے والی بحث کو فائنل شکل دی جائے گی)، اس میں دونوں ملکوں کو مثبت انداز اختیار کرتے ہوئے شرکت کرنی چاہیے۔ کیوں کہ یہ ملک خطے کے بڑے اہم ترین کردار شمار ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کے مثبت رویہ اختیار کرنے کے نتیجے میں خطے کے اندر امن اور خوش حالی کو فروغ ملے گا۔

پاکستانی میڈیا پر جن دنوں کل بھوشن یادَو نامی جاسوس کے کردار کو نمایاں کیا جا رہا تھا، ان حالات میں پاکستانی فوج کے سربراہ نے آگے بڑھ کر اس میں مؤثر کردار ادا کرتے ہوئے جاسوس کے کردار کو غیر مؤثر کیا اور حالات کی سنگینی کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ جسے بعد میں ایرانی صدر نے سراہتے ہوئے جنرل راحیل شریف کی پیشہ وارانہ خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے ضربِ عضب کو دہشت گردی کے خاتمے کے لیے سنگِ میل قرار دیا۔ سعودی عرب جس پالیسی کا حصہ بنتے ہوئے کردار ادا کر رہا ہے، مستقبل میں اس کے لیے ریجن میں کوئی خاص کردار دکھائی نہیں دیتا، البتہ ایران خطے کی عالمی تشکیل میں ایک اُبھرتا ہوا ستارہ بن کر سامنے آ رہا ہے۔ کیوں کہ یہ کردار ان جمہوری نمائندہ قوتوں کے اجتماعی مفادات کا محافظ بنتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

www.rahimia.org

مجالس؛ افاداتِ علم و حکمت

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور کے قیام سے ہی یہ روایت موجود رہی ہے کہ نمازِ جمعہ کے بعد حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ کے ساتھ احباب کی استفادہ نشست ہوتی ہے۔ جنوری 2015ء کے شمارے سے ان افادات کو شائع کر کے ہم مجلّہ رحیمیہ کے تمام قارئین کو اس استفادہ نشست میں شامل کر رہے ہیں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ اس سلسلے میں ادارہ کو اپنی رائے سے ضرور آگاہ کریں۔ (مدیر)

مجلس: 15/اپریل 2016ء - مقام: ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ، لاہور

سوال: ہم ایک یونیورسٹی میں معاشیات پڑھ رہے ہیں۔ اسلامی معاشیات پڑھانے والے لیکچرار کہتے ہیں کہ ''اسلام کا کوئی معاشی نظام نہیں ہے، بلکہ وہ صرف معاشی فلاح و بہبود کے لیے صدقہ وخیرات کی ترغیبات کا ایک طریقۂ کار ہے۔ معاشی نظام تو صرف سرمایہ داری اور سوشلزم ہے۔'' اس حوالے سے ہماری رہنمائی کریں۔

حضرت اقدس: ہمارے معاشرے اور تعلیمی اداروں میں عام طور پر اسلام کے بارے میں سیاسی، معاشی رائے قائم کرنے کا عمل اسلام کی حقیقی نمائندگی نہیں ہے، بلکہ سرمایہ دارانہ نظام کے حامی عالموں اور دانش وروں نے سرمایہ دارانہ سوچ کو اسلامائز کیا ہوا ہے۔ ان لوگوں کی سوچ یہ ہے کہ نظام صرف دو ہیں: سرمایہ داری اور سوشلزم۔ جب کہ اسلام چند آفاقی اقدار و اَخلاق کا تذکرہ کرتا ہے، نظام نہیں دیتا۔ اس طرح ملک چلانے کے لیے ان دو نظاموں میں سے کسی ایک کو اسلامائز کرنے کی ضرورت ہے۔ سرمایہ داری نظام کی فنڈنگ کی وجہ سے اُسی کو مشرف بہ اسلام کیا جاتا ہے۔

پہلی بات تو یہ سوچنی چاہیے کہ دنیا میں مثلاً جب ہم کسی بھی معاشی نظام کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسانی سماج کے معاشی اُمور کی شعبہ جاتی تقسیم کی جائے تو وہ پیدائش دولت، تقسیم دولت، تبادلہ دولت اور صَرفِ دولت کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ دولت کی پیدائش سے لے کر اُس کے استعمال تک کے یہ چار مراحل ہیں۔ جو مکتبِ فکر (School of thought) ان چاروں معاشی مراحل کی مشکلات کو دور کرنے اور انھیں بہتر بنانے کے اصول، قانون اور ضابطے بتلائے، وہ ایک معاشی نظام کہلاتا ہے۔

چناں چہ سرمایہ دارانہ مکتبِ فکر ان چاروں مرحلوں کے بارے میں ایسے اصول، ضابطے اور قوانین بتلاتا ہے، جن سے سرمائے کی بنیاد پر دولت پیدا کرنے، سرمائے ہی کی اساس پر دولت کو تقسیم کرنے، سرمائے کے مفاد کے لیے تجارت اور تبادلہ کرنے اور سرمایہ داری کے مفاد کے لیے خرچ اور استعمال کے طریقہ ہائے کار کا تعین ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کے بالمقابل سوشلزم میں مارکسی فلسفے کی روشنی میں پیدائش دولت سے لے کر تقسیم دولت تک اور تبادلہ دولت سے لے کر صَرفِ دولت تک کے لیے اُصول، ضابطے، قوانین اور طریقہ ہائے کار کا تعین کیا جاتا ہے۔ اسی لیے ایک کو سرمایہ داری نظام اور دوسرے کو سوشلسٹ نظام کہا جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ دین اسلام کی جامع تعلیمات معاشی زندگی کے ان چاروں مراحل کے بارے میں اصول، ضابطے، قوانین اور طریقۂ کار بیان کرتی ہیں تو ان کی اساس پر اسلام کا معاشی نظام بھی یقیناً وجود میں ضرور آئے گا۔ اب یہ کہنا کہ ''اسلام کا کوئی معاشی نظام نہیں ہے''، قطعی طور پر غلط ہے۔ کیا قرآن حکیم اور حضور اقدس ﷺ کی تعلیمات نے دولت پیدا کرنے کے صحیح طریقے نہیں بتلائے؟ ضرور بتلائے ہیں۔ قرآن کی کتنی ہی آیات اور احادیثِ مبارکہ ہیں، جو دولت کی پیدائش کا طریقہ بتلاتی ہیں کہ کون سا طریقہ دولت کی پیدائش کا صحیح ہے اور کون سا غلط ہے۔

دنیا کا ہر نظام اپنے مکتبِ فکر کے مطابق کچھ طریقوں کو صحیح قرار دیتا ہے، کچھ طریقوں کو غلط قرار دیتا ہے۔ سرمایہ داری نظام کے حاملین کہتے ہیں کہ دولت کی پیدائش کا سوشلسٹ طریقہ صحیح نہیں، بلکہ سرمایہ دارانہ طریقۂ پیدائش دولت صحیح ہے۔ اور سوشلسٹ کہتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ طریقہ غلط ہے، جب کہ سوشلسٹ طریقۂ پیدائش دولت صحیح ہے۔ تو ہر سسٹم کچھ چیزوں کو منع کرتا ہے، جن سے صحیح نتائج نہیں نکلتے۔

اسلام بھی تو یہی بتاتا ہے کہ دولت کی پیدائش کا صحیح طریقہ کیا ہے، غلط طریقہ کیا ہے۔ اب اسلام یہ کہتا ہے کہ ہر وہ طریقہ جس سے کسی دوسرے انسان کا استحصال ہو، اس پر ظلم، زیادتی اور ناانصافی ہو، وہ طریقۂ کار غلط ہے۔ اور ہر وہ طریقہ جس کے ذریعے سے دوسرے انسان، خواہ وہ مسلمان ہوں یا ہندو یا غیر مسلم ہوں، ان کے معاشی حقوق کا تحفظ ہونا چاہیے۔ معاشی عدل و انصاف کا طریقہ صحیح ہے۔ دولت کی تقسیم کے حوالے سے بھی اسلام کی بنیادی تعلیمات چند اساسی اصولوں، قوانین اور طریقۂ کار کی نشان دہی کرتی ہیں۔ تجارت اور تبادلۂ دولت پر تو فقہ اسلامی میں باقاعدہ کتابیں موجود ہیں۔ اسی طرح دین اسلام یہ بھی بتلاتا ہے کہ پیدا شدہ اور تقسیم شدہ دولت آپ کس طرح استعمال میں لائیں گے تو صحیح ہوگا اور کس طرح خرچ کریں گے تو یہ اسراف بن جائے گا اور حد سے تجاوز ہوگا۔ ضرورت سے کم خرچ کریں گے تو یہ بخل بن جائے گا۔

اب بتلائیے کیا اسلام کا معاشی نظام ایک حقیقت کے طور پر سامنے نہیں آتا؟ یقیناً اس پوری گفتگو سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام اپنا ایک مستقل معاشی نظام رکھتا ہے، جو سرمایہ دارانہ اور سوشلسٹ مکتبِ فکر سے الگ شناخت رکھتا ہے۔ آپ کو اپنے یونیورسٹی کے لیکچرار صاحب سے پوچھنا چاہیے کہ بھئی دولت کی پیدائش، تقسیم، تبادلہ اور صَرف کا کوئی طریقہ اسلام نے بتلایا ہے یا نہیں؟ ان سے سوال کریں کہ آپ اسلام پڑھانے آئے ہو تو اسلام کی یہ باتیں کیوں نہیں پڑھاتے آپ؟ اسلامی معاشیات کے مضمون میں صرف زکوٰۃ، عشر، صدقہ وخیرات کے مسائل بتلانے سے ایک سنجیدہ طالبِ علم یہ سمجھے گا کہ یہ تو کوئی نظام نہیں ہے۔ اسلام کا ایسا تصور پیدا کرنا یہاں کے سرمایہ داری نظام کی ضرورت ہے۔ یہ نام نہاد اسلامی معاشیات کے لیکچرار سرمایہ داری کے فروغ کے لیے ایسا کرتے ہیں۔

www.rahimia.org

خطبات و بیانات

افادات: حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ
جانشین حضرت رائے پوری رابعؒ و مسند نشین خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزادؔ رائے پوری مدظلہٗ نے 4/ مارچ 2016ء کو ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور میں نمازِ جمعہ کے شرکا سے خطاب فرمایا، جس کے چند اہم اقتباسات درجِ ذیل ہیں:

انسانی سماج میں تبدیلی کے قرآنی ضابطے

''معزز دوستو! قرآن حکیم کا موضوع انسانی سماج ہے۔ سماجی مشکلات کا حل پیش کرنا ہے۔ سماجی مسائل کو سمجھنا اور ان کے حل کے لیے درست طریقۂ کار وضع کرنا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہاں انسانی سماج میں تبدیلی کے قوانین اور ضابطے بیان کیے ہیں، سماجی ترقی کے اصولوں کی نشان دہی کی ہے، وہاں سماجی تبدیلی کے طریقۂ کار کو بھی زیرِ بحث لا کر گفتگو کی ہے۔ کسی قوم کے سامنے محض اچھے اور اعلیٰ ضابطے بیان کر دیے جائیں، قوانین بتلا دیے جائیں، محض معلومات کے جمع ہونے سے سوسائٹی از خود ترقی نہیں کرتی۔ جب تک کہ اُس طریقۂ کار پر عمل نہ کیا جائے، اس کے مطابق اپنے آپ کو تبدیل نہ کیا جائے۔ اُن اصولوں اور ضابطوں کی خود پابندی نہ کی جائے۔ تبدیلی کے مطلوبہ اہداف و مقاصد پیشِ نظر نہ رکھے جائیں۔ اپنی ذات میں تبدیلی نہ آئے۔ اپنی اجتماعیت کے اندر تبدیلی کو پیشِ نظر نہ رکھا جائے۔ اور یہ تبھی ہوتی ہے کہ جب انسان اپنی ایک رائے رکھتا ہو۔ اُس کی اپنی ایک سوچ ہو۔ اپنے قومی مفاد کو درست تناظر میں سمجھے۔ سوچ سمجھ کر جو رائے قائم کرلے، حالات و واقعات کے تناظر میں تبدیلی کے تقاضوں کو سمجھ لے، پھر پختگی اور عزم کے ساتھ اُس سوچی سمجھی رائے کے مطابق عمل کرے۔ ایسی جدوجہد اور کوشش کرنا، سماجی تبدیلی کے لوازمات میں سے ہے۔

تبدیلی کی خواہش تو انسانوں میں سدا سے رہی ہے کہ ہم کمزوری سے طاقت کی طرف، پستی سے بلندی کی طرف، برائی سے اچھائی کی طرف تبدیلی کا ترقیاتی سفر طے کریں۔ لیکن اُس کے لیے جس عزم، ہمت، ارادے، سوچ اور فکر کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اگر موجود نہیں تو محض خواہش سے دنیا میں نتیجہ نہیں آتا۔ تبدیلی تبھی ممکن ہوتی ہے جب آپ اپنی رائے مستحکم بنیادوں پر قائم کرلیں۔ قومی سوچ کو پیشِ نظر رکھیں۔ معاشرے کو بدلنے کے بنیادی تقاضوں کو سامنے رکھیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں واضح طور پر جامع اور دوٹوک انداز میں بتلا دیا کہ ''کسی قوم کی حالت اُس وقت تک نہیں بدلی، جب تک کہ وہ اپنی حالت کو بدلنے کے لیے خود تیار نہ ہو۔'' (11:13) یہ اپنے آپ کو بدلنا اپنے نفس کو بدلنا ہے۔ اور نفس کے بدلنے سے مراد امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک یہ ہے کہ انسان کا نفس اس کے قلب کے تابع ہو اور اس کا قلب اس کی عقل کے اور عقل وحی کے تابع ہو۔ تبھی تبدیلی ممکن ہے۔''

آزاد قوموں کی رائے بھی آزاد ہوتی ہے

حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

''ہم اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں، پچھلے ڈیڑھ دو سو سالوں سے مسلمان معاشروں کا بنیادی المیہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی عقل و شعور کا استعمال ترک کر دیا۔ اس طرح اپنی ایک ٹھوس رائے قائم کرنے کا طریقۂ کار چھوڑ دیا۔ انگریز سامراج کے قائم کردہ نظام اور غلامی کے زمانے میں جو ماحول بنایا گیا، اُس نے ہماری عقلوں کو مار دیا۔ ہمارے قلوب کی جرأت ختم کر دی۔ اپنی رائے قائم کرنے کا عمل نہیں رہا۔ دوسروں کی رائے کی دریوزہ گری، دوسروں کی باتوں کو اپنانے اور اُس کے لیے عقلی دلائل گھڑنے، اُس کے لیے اپنی طاقت و قوت کو استعمال کرنے کا وطیرہ اپنا لیا۔

برعظیم پاک و ہند میں بسنے والی اقوام کے اپنے قومی تقاضے ہیں۔ اُن کے اپنے سیاسی، معاشی اور سماجی مفادات ہیں۔ سیاسی تقاضا اس قوم کی عزت اور اسے امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کرنے، ترقی کی منازل طے کرنے کا ہے۔ آپ کی نسل، تہذیب، کلچر، آپ کی دھرتی سے پیوست اور قومی تقاضے سے جڑی ہوئی ہیں۔ اس نے دین اسلام قبول کیا ہے تو اُس کے ملّی تقاضے ہیں۔ جو انگریز قوم اس خطے پر مسلط ہو کر حکمران بنی، اُس قوم کے اپنے تقاضے اور مفادات ہیں۔ اُن کا سیاسی اور معاشی مفاد ہمارے سیاسی معاشی مفاد سے متصادم ہے۔ اسی مفادات کے ٹکراؤ کے باعث انگریز اس ملک پر قابض رہے کہ یہاں کے معاشی وسائل کو اپنے حق میں استعمال کریں۔

اب اس خطے میں بسنے والی قوم میں اُس وقت تک تبدیلی نہیں آسکتی، جب تک یہ اپنے خطے کے قومی، سیاسی، سماجی اور معاشی مفادات کے مطابق اپنی آزادانہ رائے قائم نہ کرے۔ اس کی رائے اس دھرتی میں امن اور عزت و افتخار کے ساتھ جینے کی بجائے دوسروں کی آلہ کاری کی ہو تو قوم کیسے ترقی کرے گی؟ تبدیلی کا عمل کیسے آئے گا؟ یہ آزادی، حریتِ فکر، یہ سوچی سمجھی ہوئی سیاسی رائے، یہ سوچا سمجھا ہوا معاشی زاویۂ فکر، برصغیر کے حریت پسندوں کی خصوصیت رہی ہے۔ ان کے مقابلے پر اس سامراجی نظام کے دریوزہ گر اور غیرملکی معاشی مفادات سے وابستہ سرمایہ دار و جاگیرداروں کی رائے غلامی کی ہوتی ہے۔ اُن کی سوچ اور فکر آزادیٔ رائے کی بجائے یہاں کے روایتی سامراجی نظام کی پیدا کردہ رائے ہوتی ہے۔ چناں چہ یہاں کا میڈیا، حکمران طبقے اسی کی جگالی کرتے ہیں۔ نام نہاد دانش ور اور صحافی بھی اسی رائے کے پروموٹر ہوتے ہیں۔ اور ہمارے اُن بزعم خویش مذہبی طبقوں کے دماغوں پر بھی یہی آرا مسلط ہو جاتی ہیں اور وہ بھی آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ کی خود ساختہ تشریح کر کے اس غلامانہ رائے کو ثابت کرنے کے لیے دلائل پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ آج یہ شعور پیدا کرنا ضروری ہے کہ کس کی رائے قومی مفاد کے تناظر میں اپنی ہے اور کس جماعت، گروہ اور طبقے کی رائے سامراج کے دیے ہوئے لقموں اور لفافوں کی بنیاد پر قائم کی گئی ہے۔''

www.rahimia.org

برعظیم میں رائے سازی کے دو اسکول

حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

’’غلامی کے دو سو سالہ دور میں جو ہمارے سیاسی فیصلے کرنے کا مرکز رہا، جو 1857ء سے لے کر اب تک اس خطے میں دو سکولز آف تھاٹ کا تعارف کراتا ہے۔ 1857ء کے بعد حریت پسندوں، خاص طور پر علمائے ربانیین اور اولوالعزم لوگوں نے، جن کے حجاباتِ قلب و نفس و عقل ٹوٹ چکے تھے، جو آزادی کے ساتھ سوچتے تھے، حریتِ فکر کو جنھوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہوا تھا، انھوں نے اس تمام تر غلامی کے ماحول کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کی سیاسی رائے قومی مفاد کے مطابق ہوتی تھی۔ ان کی قومی سوچ پر مبنی سماجی تبدیلی کا عمل سوسائٹی کی ترقی کے تناظر میں ہوتا تھا۔ سیّد الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ ہوں یا مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ہوں، یا شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ ہوں، یہ اولوالعزم اولیاء اللہ ہیں۔ ولی وہی ہوتا ہے، جو اپنی ذاتی خواہشات، ارادوں اور گردوپیش کے ماحول کی طنابیں کاٹ کر اپنے قلب کو اللہ تبارک و تعالیٰ سے جوڑ لیتا ہے۔ وہ کسی کا اسیر نہیں ہوتا۔ وہ اپنے سلسلے کے بزرگوں کا بھی اندھا غلام نہیں ہوتا، بلکہ ان کی شعوری اتباع کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے مقامِ لاتعین پر پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ مرتبہ عقل کو بلند کرنے کے لیے کردار ادا کرتا ہے۔ قلب میں جرأت پیدا کرتا ہے۔ اس لیے اس کی رائے آزاد ہوتی ہے۔

ہر انسان آزاد پیدا ہوتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی لیے فرمایا تھا: ’’تم نے کب سے لوگوں کو غلام سمجھنا شروع کر دیا، حال آں کہ ان کی ماؤں نے انھیں آزاد پیدا کیا ہے۔‘‘ ہر انسان کا ایک ربط اور تعلق براہِ راست ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ ہر انسان کو اسی سے ربط جوڑنا ہے۔ اللہ والوں کا کام لوگوں کو محض اپنی ذات سے جوڑنا نہیں ہوتا، بلکہ اُن کی عقل و شعور اور قلب کو اللہ سے وابستہ کرنا ہوتا ہے۔ حریتِ فکر رکھنے والے ایسے لوگوں نے جو رائے قائم کی ہے، وہ اس برعظیم پاک و ہند کی آزادی، آزادانہ طور پر اپنے فیصلے کرنے، اپنے ووٹ کی قیمت کو سمجھنے اور اس کی بنیاد پر اپنا سیاسی، معاشی، سماجی، روحانی، علمی اور فکری نظام بنانے کی اہلیت اور صلاحیت پیدا کرنے کا کام تھا۔

جب کہ دوسری طرف 1857ء کے بعد ایسا طبقہ بھی پیدا ہوا، جس نے اپنی اس آزادیٔ فکر کو غلام رکھ کر یورپ کی دریوزہ گری کی۔ سرسیّد اور اُس کی تربیت یافتہ ذریت، اس سوچ اور فکر پر پیدا ہونے والی تمام سیاسی، مذہبی، اور روحانی جماعتوں نے اپنے آپ کو اُس ماحول کا قیدی بنا لیا، جو غلامی کی صورت میں مسلط کیا گیا۔ اُن کی اپنی کوئی رائے نہیں۔ سرسیّد لندن جاتے ہیں تو واپس آ کر وہاں کی آرا ہی اپنی رائے بنا کر پیش کرتے ہیں۔ جو کچھ وہاں سوچتے اور سمجھتے ہیں، وہی رائے اُن کے مکتبِ فکر میں، علی گڑھ کے اس پورے طبقے میں، اس سوسائٹی میں پائی جاتی ہے۔ یہی رائے ہے جس کی اساس پر یہاں کے لیڈروں نے اپنی رائے کو انگریز سامراج کے ہاتھ گروی رکھا۔ یہ وہ سوچ و فکر ہے، جو آج بھی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑ رہی۔ اور سماجی تبدیلی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔‘‘

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا احسان

حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

’’آج کل پاکستان کے سب سیاسی لیڈرز لندن میں جمع ہیں۔ قوم کے سامنے جھوٹے بہانے بنا کر انھی سے آف دی ریکارڈ ہدایات لینے کے لیے وہاں پہنچے ہوئے ہیں، جہاں سے غلامی کے زمانے سے آن دی ریکارڈ ہدایات آیا کرتی تھیں اور اسی کے مطابق یہاں پر رائے قائم کی جاتی رہی ہے۔ آج ہمیں سوچنا ہے کہ ہماری آرا، اور ہمارا اجتماعی عمل کیا ہمارا اپنا ہے یا کسی دوسرے کا سوچا ہوا منصوبہ اور خیال ہے؟ امامِ انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ جب یہاں ہندوستان تشریف لائے تو انھوں نے کہا کہ: میں حرم چھوڑ کر اس لیے یہاں آیا ہوں کہ میں اپنی قوم کو اپنے ووٹ کی قیمت سمجھاؤں کہ تم اپنی رائے قائم کرو، دوسروں کی سوچوں، دوسروں کے اشاروں، یورپ کے مادی فلسفوں، سامراجی سیاست کے آلۂ کار بننے سے انکار کر دو۔ قومی سوچ اور ملّی تقاضوں کے مطابق اپنا کردار ادا کرو۔ لیکن ہم نے اُن کی رائے نہیں مانی۔ فرقہ واریت کی جنگ میں اُلجھے۔ پہلے ہندو مسلم فساد ہوا، پھر پاکستان بننے کے بعد مسلم مسلم فساد کھڑا کیا۔ کہیں شیعہ سنی جھگڑا، کہیں دیوبندی بریلوی جھگڑا، کہیں اہلِ حدیث اور دیوبندی جھگڑا۔ کہیں لسانی اور طبقاتی جھگڑا۔ غرض جھگڑوں کی نئی سے نئی شکلیں، جو Divide & Rule کی سامراجی سیاست کی پیدا کردہ تھیں، ہم نے اپنی پوری سوسائٹی میں پیدا کر دیں۔ انسانی بنیادوں پر قومی ترقی، قومی اور ملّی نظام قائم کرنے کی عقل، شعور، رائے قائم کرنے کا عمل، جدوجہد کا اجتماعی طریقۂ کار ہمارے پیشِ نظر نہیں رہا۔ زوال کی یہی وہ حالت ہے جب قومیں عزت کے ساتھ زندگی بسر کرنے سے محروم ہو جاتی ہیں۔

پاکستان میں مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا یہ احسان ہے کہ انھوں نے یہاں کے نوجوانوں میں اس حریتِ فکر کو برقرار رکھا۔ ان علمائے ربانیین کا تعارف کرایا، جنھوں نے غلامی کے زمانے میں اپنی رائے، اپنی سوچ، اپنی حریتِ فکر پر آنچ نہیں آنے دی۔ ان کی سوچ اور فکر کو واضح کیا۔ قومی آزادی اور ملّی تقاضوں کے مطابق اپنا نظام قائم کرنے کا شعور دیا۔ آج یہی سوچ کامیابی کا ذریعہ ہے، ورنہ فرقہ واریت کی یہ آگ اور دوسروں کی سوچی ہوئی رائے پر چلنے کا عمل سوائے تباہی و بربادی کے اور کچھ نہیں ہے۔ عقل و شعور کے ساتھ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر اب تک کے ان علمائے ربانیین کی سوچ، فکر، فلسفے اور ان کی آرا کے مطابق اپنی رائے کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

مولانا سندھیؒ نے خوب سمجھایا کہ اس دور کے جتنے بھی مفکرین ہیں، یہ تو انگریز کے سامراجی نظام سے متأثر ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ایک ایسے مفکر ہیں کہ جو غلامی کے زمانے سے بہت پہلے کے ہیں، جو قرآن و سنت کے محقق عالم، محدث، مفسر، صاحبِ نسبت عالمِ ربانی ہیں۔ انھوں نے سوچ سمجھ کر انسانی سوسائٹی کی قومی اور ملّی ترقی کا ایک واضح پروگرام دیا ہے۔ اس کو پیشِ نظر رکھ کر آج جدوجہد کا راستہ اختیار کیا جائے تو سارے فرقوں کے جھگڑوں سے نکل کر قومی سوچ کے ساتھ آگے بڑھنے کا واضح راستہ متعین ہو جاتا ہے۔‘‘

بچوں کا کالم

چوہدری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ

صبح سویرے اٹھنا معمول بناؤ

(چوہدری افضل حقؒ آزادی کے عظیم رہنما تھے۔ اپنی قوم کی تعلیم و تربیت اور اَخلاقی معیار کی بلندی ہمیشہ ان کے پیشِ نظر رہی۔ ذیل میں ان کے اُن خطوط کی تلخیص شائع کی جارہی ہے، جو اُنھوں نے 1939ء میں راولپنڈی جیل سے اپنے بچوں کے نام لکھے۔ دراصل ان کے مخاطب قوم کے ہر دور کے نونہال ہیں۔ مدیر)

بقیہ گزشتہ مکتوب

صبح سویرے اٹھنا معمول بناؤ۔ نمازوں کی عادت (پیدا) کرو۔ جان ہلکی پھلکی رہے گی۔ کل کا کام بھی آج کرلینے کو جی چاہے گا۔ ورنہ آج کا کام بھی کل پر ڈالنے کی عادت ہوجائے گی۔ اگر رات کو جلدی سونے کی کوشش کی جائے تو جلدی جاگ آجاتی ہے۔ صبح اٹھنے والا ہمیشہ لمبی عمر پاتا ہے اور اچھی صحت قائم رکھتا ہے۔ اس کا دل بھی اچھے کاموں کی طرف لگا رہتا ہے۔

بس اتنی ضرورت ہوتی ہے کہ طبیعت پر چند دن زور دے کر رات کو اوّل وقت سوجانے کی سعی کی جائے۔ چند دن کے بعد خود بخود سویرے جاگ آجاتی ہے۔

ضیاء الحق! دیکھو بیٹا تم شرارتیں نہ کیا کرو۔ ورنہ مسجد کے مُلّا بنادیے جاؤ گے۔ جانتے ہو مسجد کا مُلّا آج کل کتنی تکلیف میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ اس کی مدد کرنے والے کم، مگر پھٹکارنے والے بہت ہیں۔

تمھیں بار بار کہا جاتا ہے کہ کھیلو ضرور، مگر پڑھنے لکھنے کا بھی دھیان رکھو۔ جو بچپن میں تعلیم کی طرف توجہ نہیں دیتے، وہ بڑے ہوکر (اپنی) قسمت کو روتے ہیں۔

دیکھو! ''بادشاہ سلامت'' تم سے چھوٹا ہے، مگر خوب دل لگا کر پڑھتا ہے۔ اس کو سب شاباش کہتے ہیں اور تمھاری ہر خط میں شکایت آتی ہے۔ اچھے بچوں کی شکایتیں نہیں آتیں، بلکہ ہر طرف سے خوش خبریاں ملتی ہیں کہ اچھے بچوں نے یہ اچھا کام کیا۔ اس نے امتحان اوّل درجے میں پاس کیا۔ اس کھیل میں اوّل رہے۔

بھئی معروف بی بی!

اگر تمھیں جگر کی خرابی کی وجہ سے تکلیف ہے تو تازہ مولی کھانا ہزار علاج کا ایک علاج ہے۔ اس کے کھانے میں نفع ہی نفع ہے، نقصان کوئی نہیں۔ مجھے یہ نسخہ ایک بہت بڑے حکیم نے بتایا تھا۔ معلوم نہیں کہ گڑھ شنکر میں مولیاں ملتی ہیں یا نہیں۔ جالندھر سے بھی منگوائی جاسکتی ہیں۔

سب چھوٹوں بڑوں کو سلام

تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات

مولانا مفتی عبدالقدیر، چشتیاں

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کا ایمان افروز واقعہ

ہم صرف رعایا کے خزانچی اور ان کے مالوں کے محافظ ہیں

سلطان صلاح الدین بن نجم الدین ایوبؒ (532-589ھ/1138-1193ء) مسلمانوں کے نامور عادل سلاطین میں سے ہیں۔ 491ھ/ 1099ء میں بیت المقدس پر صیہونی عیسائیوں کے غلبے کے بعد سلطان نورالدین زنگیؒ اور ان کے بعد صلاح الدین ایوبیؒ کی مسلسل جدوجہد کے بعد دوبارہ بیت المقدس کو 583ھ/ 1187ء میں بازیاب کرالیا گیا تو آپ فاتح بیت المقدس کہلائے۔ آپ نے مصر و شام کے وسیع و زرخیز علاقوں پر حکومت کی۔ اپنی بے مثال قربانیوں سے دشمنوں کی سازشوں کو ناکام بنایا۔ قوم و وطن اور ملت کو ترقی، خوش حالی، عدل و انصاف اور امن و مان سے ہم کنار کیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ مصر و شام جیسے زرخیز خطے پر حکمران تھے، لیکن جب ان کا انتقال ہوتا ہے تو ان کے ذاتی خزانے سے صرف 47 درہم ناصری اور ایک دینار نکلتا ہے۔ تابوت اور کفن دمشق کے مشہور عالم و قاضی فاضل نے ذاتی مالی وسائل سے مہیا کیے، جوانھوں نے رزقِ حلال اور اپنے ہاتھ کی کمائی، یعنی محنت مزدوری سے یہ چیزیں بہم پہنچائی تھیں۔ درجِ ذیل واقعہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی بے لوث خدمتِ ملک و وطن اور ملت کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے:

ایک مرتبہ 579ھ/ 1183ء میں سلطان کا ہاتھ بہت تنگ تھا۔ اس نے اپنے بھائی ملک العادل سے ڈیڑھ لاکھ دینار بہ طور قرض مانگے۔ ملک العادل نے کہا: ''اگر معاوضے میں حلب عنایت ہو تو حاضر ہوں۔'' سلطان نے کہا: ''بہت بہتر۔'' دوسرے دن ملک العادل نے کہا: ''بیع نامہ تحریر کردیجیے۔'' سلطان نے ناخوش ہوکر کہا: ''کیا تم نے خیال کرلیا ہے کہ سلطنتیں بھی فروخت ہوا کرتی ہیں؟ تمھیں معلوم نہیں ہے کہ مکان مکینوں اور سکونتیں ساکنین کا حق ہیں! ہم تو رعایا کے خزانچی، اہل دین کے نگہبان اور ان کے مالوں کے محافظ ہیں۔ یہ روپیہ اور زر و مال نہ میرا ہے نہ تمھارا۔ یہ انھی کا حق ہے، جن سے ہم کسی نہ کسی رنگ میں (بصورت ٹیکس وغیرہ) وصول کرتے ہیں۔ جو شخص میرے پاس آکر اپنا حق ظاہر کرتا ہے، وہ مجھ پر احسان کرتا ہے کہ اپنا مال مجھ سے لے کر مجھے سبکدوش کرتا ہے اور اپنی امانت مجھ سے واپس لیتا ہے۔'' اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ:

1۔ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے ملک و ملت کی خدمت میں سیرتِ نبویؐ اور سیرتِ خلفائے راشدینؓ کو اختیار کیے رکھا۔ اس لیے اکثر خود مقروض رہتے اور زاہدانہ زندگی بسر کرتے۔

2۔ بتلایا کہ ہم خزانوں کے صرف امین ہیں، مالک عوام ہیں۔ جیسا کہ وقف زمین کا متولی محض نگران ہوتا ہے۔

3۔ ان قوم پرست، محبِّ وطن سلاطین کے ساتھ آج آف شور سرمایہ پرست ظالم حکمرانوں کا موازنہ کیجیے۔

www.rahimia.org

امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ

وسیم اعجاز، کراچی

امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ 1888ء میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام مولانا خیرالدین تھا۔ غلام محی الدین نام رکھا گیا، لیکن مولانا نے اپنے طور پر محی الدین احمد نام اختیار کیا۔ اپنی تصانیف 'تذکرہ'، 'ترجمان القرآن' اور 'الہلال' میں 'احمد' نام تحریر کیا۔ آزاد تخلص اور ابوالکلام کنیت تھی۔ رسمِ بسم اللہ شیخ عبداللہ نے صحنِ حرم میں ادا کرائی۔ سات سال کی عمر میں اپنے والدِ محترم کے ساتھ ہندوستان تشریف لے آئے۔

تحصیل علم کے شوق کے ساتھ ساتھ تحریر اور تقریر میں بھی کمالِ مہارت حاصل کرلی۔ عربی اخبارات کے مطالعے نے عالم اسلام کے مسائل سے پوری آگہی اور دلچسپی پیدا کردی تھی۔ شاعری کے شوق میں سب سے پہلا رسالہ 'نیرنگِ عالم' جاری فرمایا۔ 'الندوہ' کے علاوہ اخبارات 'وکیل' اور 'دارالسلطنت' میں بہ حیثیت مدیر کام کیا۔ 1911ء میں اپنا اخبار 'الہلال' نکالا، جس نے نہ صرف صحافت کی ادبی' بلکہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر بھی شہرت حاصل کی۔ بہ قول پنڈت جواہر لال نہرو: 'مولانا نے اپنے ہفت روزہ میں مسلمانوں کے مؤقف کو ایک نئی اور متأثر کن زبان دی۔' الہلال میں قومی امور اور حریت و آزادی سے متعلقہ مضامین کی اشاعت کے پیشِ نظر انگریزوں نے پہلے تو الہلال کی ضمانت ضبط کی اور پھر 1915ء میں مولاناؒ کو بنگال سے نکال باہر کردیا۔ مولانا نے 'الہلال' کے بعد 'البلاغ' اور 'اخبارِ پیغام' کا سلسلہ جاری کیا۔ رانچی (بہار) کے مقام پر 4 سال تک نظر بند کیے گئے۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ 'الہلال' کی تحریروں کو بڑی توجہ سے پڑھتے اور سراہتے تھے۔ انھوں نے ہمیشہ مولانا آزادؒ کے مؤقف کی تائید اور ان کے کاموں کی سرپرستی فرمائی۔ مولانا آزادؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کے حکم پر دہلی کو اپنے سیاسی کاموں کا مرکز بنایا۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی تاسیس کے لیے حضرت شیخ الہندؒ کو خطوط لکھ کر بلانے میں دیگر اکابرین کے ساتھ ساتھ مولانا آزادؒ بھی پیش پیش تھے۔ خود مولانا آزادؒ فرماتے ہیں کہ: ''جس وقت ہندوستان کو قومی جدوجہد کی اشد ضرورت تھی، اس وقت پورے ہندوستان میں سوائے حضرت شیخ الہندؒ کے کوئی ایسا عالمِ دین نہیں تھا، جس نے حریت و آزادی کی آواز بلند کی ہو۔''

ہندوستان کی تاریخ میں 1919ء سے 1921ء تک کا دور ایک انقلاب انگیز دور تھا۔ 1919ء میں جلیانوالہ باغ میں جنرل ڈائر کی ایما پر قتلِ عام کے واقعے کے بعد مولاناؒ کی زندگی کا اس قدر مصروف زمانہ تھا کہ صبح شام کا امتیاز باقی نہ رہا۔ سینکڑوں جلسوں اور کانفرنسوں میں شرکت فرماتے رہے۔ اسی دور میں تحریکِ خلافت زوروں پر تھی، جس میں ہندوؤں اور مسلمانوں نے شانہ بہ شانہ شرکت کی تھی۔ اس دور میں ملکی سیاست میں ایسا طوفان آیا، جس کی مثال 1857ء کے بعد نہیں دیکھی گئی تھی۔ اکتوبر 1921ء میں خلافت کانفرنس میں مولاناؒ نے تحریک کی 18 ماہ کی روداد بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''تحریکِ خلافت کی بدولت ہندوستان کی آزادی کا سویا ہوا مسئلہ اس قوت سے جاگ اٹھا ہے کہ آج اس کا غلغلہ دنیا میں بلند ہے۔'' جب تحریکِ ترکِ موالات کا آغاز ہوا تو اس میں بھی مولانا آزادؒ پیش پیش رہے۔ مارچ 1921ء میں پورے پنجاب کا دورہ کیا اور باوجود پبلک جلسوں اور تقریروں کی ممانعت کے مولاناؒ نے گوجرانوالا، لاہور اور امرتسر میں اجلاسات کیے۔ انھوں نے اپنے پروگرام کے جن چار اصولوں کی دعوت دی، ان میں متحدہ قومیت، اَمن و سلامتی، نظم و ضبط اور استقامت شامل تھے۔ 1923ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے خصوصی اجلاس دہلی کے صدر اور بعدازاں 1930ء میں کانگریس کے قائم مقام صدر منتخب ہوئے۔ 1940ء سے 1946ء تک مستقل صدر کی حیثیت سے ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ 1942ء میں کانگریس کے خصوصی ترجمان کی حیثیت سے سر سٹیفورڈ کرپس سے مذاکرات کیے۔ ''ہندوستان چھوڑ دو تحریک'' کے سلسلے میں ایک بار پھر گرفتار کیے گئے اور 3 سال تک قید رہے۔ 1945ء میں وائسرائے ہند کی جانب سے منعقد کی گئی شملہ کانفرنس میں کانگریس کے ترجمان کی حیثیت سے شریک ہوئے۔

1946ء میں دستور ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور متحدہ ہندوستان کی عبوری حکومت میں تعلیم اور فنونِ لطیفہ کے ممبر بنے۔ تقسیم ہند کے بعد آزاد حکومتِ ہند کے وزیر تعلیم ہوئے۔ 1952ء میں ہندوستان کے پہلے عام انتخابات میں پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہوئے اور تعلیم، قدرتی ذرائع اور سائنسی تحقیقات کے وزیر مقرر کیے گئے۔ 1957ء میں دوبارہ پارلیمنٹ کے ممبر بنے اور وزیر تعلیم کے ساتھ ساتھ سائنسی تحقیقات کے وزیر رہے۔ مولانا آزادؒ سیاسی بصیرت میں کمال درجے پر فائز تھے۔ حالات کا تحلیل و تجزیہ کرکے آپ جس نتیجے پر پہنچے، اس کا برملا اظہار فرمایا۔ اور وقت نے دیکھا کہ اسی سیاسی بصیرت کے طفیل کیا جانے والا تجزیہ حرف بہ حرف سچ ثابت ہوا۔

1958ء میں دہلی میں فالج کے مرض میں مبتلا ہوگئے جو کہ مرض الموت ثابت ہوا۔ اسی حالت میں 22 رفروری کو جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔

مولانا آزادؒ کی وفات پر جہاں ہندوستانی رہنماؤں نے تعزیت کا اظہار کیا، وہیں مصر کے صدر جمال عبدالناصر نے کہا کہ: ''روشنی کا مینار اور عزم و حوصلے کا سرچشمہ ہماری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ ہم اہل مشرق اپنی تاریک راہوں کو کس چراغ سے روشن کرسکیں گے اور مغرب کی سامراجی قوتوں سے کس طرح اپنا لوہا منوا سکیں گے۔'' مشہور برطانوی فلسفی برٹرنیڈ رسل لکھتے ہیں کہ: ''مولانا کی وفات کی خبر سے مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں تنہا رہ گیا ہوں۔ جیسے وہ دریا خشک ہوگیا، جس کی موجوں سے ہمیں ذہنی اور فکری سرور حاصل ہوجایا کرتا تھا۔'' حکومتِ روس کا یہ تعزیتی بیان تھا کہ: ''مولانا کی موت کا غم ہندوستان کو ہی نہیں، بلکہ روس کے عوام کو بھی ہے۔'' چینی وزارتِ خارجہ کے مطابق: ''مولانا کے وصال کا دن چینی عوام کے لیے صدمے کا دن ہے۔ وہ ایسے ہمدرد سے محروم ہوگئے، جس نے ہر مشکل میں ان کی ہمدردی کی۔''

مولانا آزادؒ کا مزار دہلی میں جامع مسجد اور شاہی قلعے کے درمیان مرجع خلائق ہے۔

www.rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

نوجوانوں کے لیے اہم خوش خبری

لاہور میں 29 روزہ "دورۂ تفسیر قرآن حکیم" کا انعقاد

گزشتہ سالوں کے معمول کے مطابق اس سال بھی ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور میں حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزادرائے پوری دامت برکاتہم العالیہ کے زیرِ نگرانی 29 روزہ دورۂ تفسیر قرآن حکیم منعقد کیا جا رہا ہے۔

آغاز: 3/ جون 2016ء/ 27/ شعبان المعظم 1437ھ، بروز جمعۃ المبارک

اختتام: یکم/ جولائی 2016ء/ 26/ رمضان المبارک 1437ھ، بروز جمعۃ المبارک

اس دورۂ تفسیر قرآنِ حکیم میں:

1۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بیان کردہ اصولِ تفسیر

2۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے اُسلوبِ تفسیر

3۔ امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے تفسیری نکات کی روشنی میں قرآنی علوم و معارف کا بیان ہوگا۔

اس دورۂ تفسیر کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

☆ قرآنِ حکیم کی سورتوں کے مضامین کا جامع خلاصہ اور اس کے اہم نکات کا بیان

☆ شریعت کے حوالے سے اہم قرآنی موضوعات پر لیکچرز کا اہتمام

☆ اَخلاقی تربیت اور تزکیۂ نفس کے لیے دینی اور روحانی ماحول

☆ قرآن حکیم کے بیان کردہ سیاسی، سماجی، معاشی اصولوں کی نشان دہی

☆ دورِ حاضر کے اہم عمرانی مسائل کے حوالے سے قرآنی افکار سے متعلق آگہی

اس دورۂ تفسیر میں شرکا کی رہنمائی کے لیے ملک بھر کے چنیدہ مفتیانِ کرام، دانش ورانِ عظام، پروفیسرز اور ڈاکٹرز حضرات قرآنی موضوعات پر لیکچرز دیں گے۔ گرمیوں کی تعطیلات اور رمضان المبارک کی مبارک ساعات میں دینی مدارس، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیز کے طلبا اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لیے بڑا موقع ہے کہ وہ اس دورۂ تفسیر سے بھرپور استفادہ کریں۔ اس دورۂ تفسیر میں شرائط کے مطابق داخلہ لے کر قرآنی فکر و شعور سے آگہی حاصل کریں۔ دینی تقاضوں کی تکمیل کے لیے روحانی، اَخلاقی اور اجتماعی تربیت کے حوالے سے دینی ماحول کے اس اہم موقع سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔

(بقیہ: خدمتِ انسانیت کے رویے اور تربیتی نظام) آج ہمارے سماج میں موجود ناانصافی، کرپشن اور طبقاتیت درحقیقت ہماری اس اشرافیہ کے طرزِ عمل کا ہی نتیجہ ہے، جس کی نگاہ ذاتی اور گروہی اَغراض سے آگے نہیں دیکھ سکتی اور یقیناً اس کورچشمی کے پس پردہ اس سامراجی تعلیمی و تربیتی نظام کا ایک بنیادی کردار ہے، جس میں خودغرضی اور مفاد پرستی کا زہر کمال چابک دستی سے ملایا گیا ہے۔ بزرگوں کے تربیتی نظام سے استفادہ کرتے ہوئے قومی و دینی بنیادوں پر تربیتی نظام کی تشکیل کے بغیر اس زہر کا تریاق ممکن نہ ہو سکے گا۔

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از جناب مولانا مفتی عبدالقدیر شعبہ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال کیا مصنوعی دانت لگوانے کی صورت میں وضو اور غسل ہو جاتا ہے؟

جواب عارضی مصنوعی دانتوں کے ساتھ وضو اور غسل ہو جاتا ہے، مگر غسلِ واجب میں دانتوں کو اُتار لینا بہتر ہے۔

سوال ایسا جانور جو مشین کے ذریعے ذبح کیا جائے، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ اس کا گوشت حلال ہے یا حرام؟

جواب محقق علما کے ہاں مشینی ذبیحے میں شرعی ذبیحے کی شرائط نہیں پائی جاتیں۔ لہٰذا ایسے گوشت سے احتراز کیا جائے۔

سوال آج کل ہمارے ہاں یہ رواج بن چکا ہے کہ کچھ رقم دے کر رقم جمع کرنے والوں کے درمیان عمرے کے ٹکٹ کے لیے قرعہ اندازی کرائی جاتی ہے۔ اس سے ٹکٹ کی باقی رقم معاف ہو جاتی ہے۔ کیا اس ٹکٹ کے ذریعے عمرہ جائز ہے؟

جواب اس طرح قرعہ اندازی میں عموماً نام نکل آنے پر باقی رقم معاف ہو جاتی ہے۔ یہ جوے کی قسم ہے، جو ناجائز اور حرام ہے۔ عبادات کو ناجائز ذرائع سے ملوث کرنے سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔

سوال خانۂ کعبہ اور روضۂ رسول کی طرف پاؤں پھیلانے کا کیا حکم ہے؟

جواب خانۂ کعبہ اور روضۂ رسول کی طرف بغیر کسی شرعی عذر کے پاؤں پھیلانا بے ادبی ہے، جو کسی طرح درست نہیں۔

سوال آج کے اس سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور میں کہ جہاں ہر چیز کو کیمرے کے ذریعے فلمایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ عمومی اور اسلامی تاریخی واقعات پر بھی فلمیں بن چکی ہیں۔ کیا اس طرح کی سبق آموز فلمیں دیکھنا جائز ہے؟

جواب دینی تعلیم و تعلّم اور تاریخی اسباق میں جدید ذرائع اور سائنسی ایجادات سے استفادے میں کوئی حرج نہیں۔ بشرطیکہ بے ہودہ، لغو، بے پردگی اور بے حیائی پر مبنی مواد سے مکمل اجتناب کیا جائے۔ ورنہ اچھی چیز، غلبہ فساد کی وجہ سے ممنوع ہو جاتی ہے۔

سوال ایک شادی شدہ آدمی اپنی بیوی سے دور کتنی مدت تک اندرونِ ملک یا بیرونِ ملک قیام کر سکتا ہے؟

جواب حضرت عمرؓ نے ایک عورت کے دردمندانہ اشعار سن کر شادی شدہ فوجیوں کے لیے ہر چار ماہ بعد گھر کے لیے رخصت پر جانے کا قانون بنایا تھا۔ چار ماہ سے زیادہ دوری عورت کے حق سے ناانصافی ہے۔

سوال کیا کسی غیر مسلم سے ضرورت پڑنے پر خون لیا جا سکتا ہے؟

جواب بوقتِ ضرورت غیر مسلم سے خون لینے میں کوئی حرج نہیں۔

www.rahimia.org

مدیرِ اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "رحیمیہ" رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئنز روڈ لاہور سے جاری کیا۔